

پُر تشدد حالات میں قدرتی ماحول کے تحفظ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ

A RESEARCH STUDY OF ISLAMIC TEACHINGS REGARDING THE PROTECTION OF THE NATURAL ENVIRONMENT IN VIOLENT SITUATIONS

* Anwar ul Haq

** Zakia Khan

ABSTRACT

This paper presents an analytically functional conceptualization of environmental violence and identifies its sources, pathways, and generalizations in global ecosystems and everyday life. It then expands the basic concepts of Islamic teachings, complex systems and human development on a broader basis to address threats and violent situations, and especially changes in the cultural, social and societal environment that directly impact issues such as violence. There are. Topics like these can be addressed. And environmental changes are happening all the time. A changing environment drives selection for organisms, and there is no organism that does not change its environment in order to survive and reproduce. These changes are the main drivers of evolution and consequently the main cause of biodiversity. Environmental violence and the unsustainable use of natural resources create a vacuum and the normal way capitalist economies exploit nature. The rate of extinction associated with the current unnatural use of resources is sufficient to believe that we are facing mass extinction events. The speed at which humans are changing the environment has left no time for evolutionary adaptation. We need to reduce environmental violence for life in order to maintain our normal functioning. Human nature is human and if violent situations are not countered, we will have no solution without facing dire consequences.

Keywords: Holy Quran tolerance, Environmental, Holy Prophet, circumstances,

تعارف

مادی ترقی کی خواہش نے انسان کو مذہب سے بالکل دور کر دیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد صرف معاشی خوشحالی ہے۔ اور اس مادی ترقی اور لاتعداد خواہشات اور وسائل کے اندھا دھند استعمال کرنے کی وجہ سے کرہ ارض کے قدرتی حسن اور ماحولیاتی نظام کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے،

* Doctoral Candidate, Department of Islamic Learning, University of Karachi.

** M.Phil. Scholar, Department of Islamic Learning, University of Karachi.

یہی وجہ ہے کہ آج انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اگر اس نے آج اپنا رویہ نہ بدلا تو آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ اور پھر یہ نسلیں غیر محفوظ اور تاریکی کے سفر کے نام ہو جائیں گی، اور آنے والی نسلیں ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں گی جو انسانی مادیت کے نتیجے میں تباہ ہو چکا ہو گا، یہ سوچ اس حقیقت کی عکاس ہے کہ زمین پر فساد اور تباہی کی سب سے بڑی وجہ نظام ماحولیاتی یہ ہے کہ وحی الہی کی ہدایت سے انسان بالکل محروم ہے، کیونکہ انسان اس نظام کے تمام حقیقتوں کو صرف اپنی عقل سے نہیں جان سکتا، نہ اچھے اور برے کے معیارات کا تعین کر سکتا ہے اور نہ ہی اچھے اور برے کا امتیاز کر سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی عقل کی بنیادوں پر انسان اس کائنات کے توازن اور حسن کو بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔ اس لئے اب ضروری ہے کہ انسان کسی ایسی آلات سے اپنے مستقبل کا تعین کرے جس میں تمام حیاتیاتی پہلو بالکل نکھر جائیں اور درست سمت واضح ہو جائے۔

تشدد اور ماحول کی تفہیم

تشدد کی تفہیم کے لئے مختلف مفکرین نے مختلف تعریفیں ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) یوں لکھا ہے کہ:

“The intentional use of physical power or force, threatened or actual, against oneself, another person, or a group or community, is more likely to result in injury, death, psychological harm, maldevelopment, or deprivation.”¹

”جسمانی طاقت یا جان بوجھ کر طاقت کا استعمال، دھمکی آمیز یا حقیقی، اپنے یا کسی دوسرے شخص، یا کسی گروہ یا برادری کے خلاف، جسکے نتیجے میں یا تو زخم، موت، نفسیاتی نقصان، خرابی، ترقی یا محرومی ترقی کے نتیجے میں ہونے کا امکان تشدد ہو گا۔“

اس کی ایک اور تعریف D.Johan Galtung نے پیش کی ہے لکھتے ہیں:

“تشدد کو بنیادی انسانی ضروریات کی کسی قابل گریز توہین کے طور پر دیکھتا ہوں کیوں کہ عام طور پر کسی بھی قسم کی جذباتی انداز میں کسی کو نقصان پہنچانا یعنی ایسا نقصان جو درد و تکلیف کے قابل ہو اور فلاح و بہبود کے راستے میں حائل ہو یا رکاوٹ پیدا کرتا ہو، ضروریات زندگی کی حقیقی سطح کو تسکین کو ختم کرتا ہو، تشدد کہلائے گا۔“²

سادہ اور عام لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کو فطرت کے خلاف ضرر یا زیاں ہو تشدد کہلائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم ارشاد باری ہے:

”فَطَرَتِ اللَّهُ النَّبِيَّ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لِتَبْدِيلَ لِحَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“³

”اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر قائم رہو جس پر اُس نے تمام لوگوں کو تخلیق کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں۔“

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دنیا کو بہت سے پر تشدد حالات نہ صرف انسانوں کو بلکہ زمین پر موجود بہت سی زندگیوں کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اور پر تشدد ماحول ایک طویل عرصے تک معاشرہ کو متاثر کرتا ہے اثرات مرتب کیے ہیں۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ میں تباہی ہوتی ہے اس طرح تشدد کے واقعات فطری ماحول کو بھی خراب کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں انسان کے

ایک خاص ماحول میں رہنے والی دیگر مخلوقات کے پھلنے پھولنے کی صلاحیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔^۴ یعنی یہ وہ سب تشدد کی سب سے آسان اور واضح شکلیں زخم کی ہے یعنی وہ زخم چاقو، پینڈرگن، اسٹیلٹھ میزائل، کیڑے مار ادویات کے ذریعے دیا جاسکتا ہے اور پھیلا یا بھی جاسکتا ہے۔ ماہرین ماحولیات کہتے فطرت کے خلاف تشدد کا آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک تشدد ہے کہ کسی کی ثقافت کو تبدیل کیا جائے۔ ایک وہ بھی تشدد جو کہ غیر محسوس انداز سے کیا جائے یہ وہ تشدد ہے جو حد درجہ کا ماحول کو متاثر کرتا ہے۔^۵

ماحول کی تفہیم

ماحول، مرکب ہے جو دو کلمات سے مل کر بنا ہے۔ پہلا ما ہے جو کہ اسم موصول ہے۔ اس کا معنی ہے: جو، یا جو کچھ بھی۔ جبکہ دوسرا کلمہ حول ہے۔ یہ کلمہ گرد و پیش کا معنی دیتا ہے۔ جب ہم دونوں کلمات کو ملا کر پڑھتے ہیں اور اس کے معنی پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ "جو کچھ بھی گرد و پیش میں ہے"، وہ سب کا سب ماحول ہے۔ جب ہم خود کو کسی جگہ کھڑا کر کے دیکھیں تو ہمارے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر اور نیچے جہاں تک بھی نگاہ جاتی ہے وہ ہمارا ماحول ہوتا ہے۔

وسیع تر بنیادوں پر جب ہم عالم انسانیت کے ماحول کی بات کرتے ہیں تو اس صورت میں انسان جہاں جہاں بھی آباد ہے اس کے لیے قدرت نے وہاں اس کے رہنے بسنے کے اسباب مہیا فرما رکھے ہیں۔ اور صحت و عافیت کے ساتھ جینے، توالد و تناسل اور تربیت و پرورش کے لیے ایک سازگار ماحول فراہم کر رکھا ہے۔ یہی قدرتی ماحول ہے۔ اس میں وہ تمام اشیاء و عناصر شامل ہو جاتے ہیں جو ایک اچھی و خوشگوار زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اور وہ بھی جو اس کو پر لطف، خوبصورت اور دیرپا بناتے ہیں۔ انسانی زندگی کی بقاء اور ایک سازگار و خوشگوار ماحول میں اس کا فروغ و ارتقاء عالم انسانیت کی اس وقت سب سے بڑی ضرورت ہے۔

بڑی فکر مندی کی بات یہ ہے کہ جنگوں اور تشدد کے حالات میں قدرتی ماحول کی بربادی تو ہوتی ہی ہے۔ عام حالات میں بھی اس کا سلسلہ جاری و ساری ہی رہتا ہے۔ حالانکہ یہی وہ اسباب و عوامل ہیں جن کی بقاء پر ہماری بقاء منحصر ہے۔ انسانی آبادی کے پھیلاؤ نے جنگلات کو کاٹ کر بستیاں بسالی ہیں۔ جنگلی حیات بھی سمٹ رہی ہے اور تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ لہذا عام حالات تو رہے ایک طرف جنگوں اور تشدد کے حالات میں بھی بے رحم ہاتھوں کو روکنا اب ناگزیر ٹھہرا ہے۔ عالمی سطح پر تحفظ ماحولیات کے لیے کوششیں گزشتہ صدی میں ہی شروع ہو گئی تھیں۔ ہر کوشش مربوط بھی تھی اور بھرپور بھی مگر پھر بھی لوگوں کی توجہ اور اہمیت حاصل نہیں کر سکی۔ حتیٰ کہ قدرتی آفات کا نزول سر آپڑا ہے۔ ان تمام کوششوں کی جملہ تفصیلات اقوام متحدہ کی ویب سائٹ www.uno.org پر دستیاب ہیں۔

زمین پر انسانی آبادکاری

قرآن کریم کی رؤ سے دیکھا جائے تو ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اتارا جانے لگا تو پہلے آپ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ زمین پر ان کو سامانِ زیست دستیاب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ“^۶

"اور تم سب کے لیے زمین میں جائے قرار بھی مہیا ہو گی اور ایک وقت خاص تک کے لیے متاع بھی موجود ہو گی۔"

سامانِ زیست کی فراہمی اور اس کی سازگاریت کی بنیاد پر ہی حضرت ابوالبشر کوزمین پر آباد کیا گیا تھا۔ بقائے حیات کے بنیادی لوازمات اگر قدرتی طور پر ہی روئے زمین پر آ موجود نہ ہوئے ہوتے تو یہاں زندگی کا وجود ہی سلامت نہ رہتا۔ یہ زمین ہی ہے جس نے ہزاروں سال سے انسان کو اس کی تمام ضروریات و سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنا رکھا ہے۔ اور کاروانِ حیاتِ انسانی ان نعمتوں سے استمتاع اور استفادہ کر کے ہی آج کی اس منزل تک آپہنچنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ سورہ طہ میں ارشادِ ربانی ہے:

”كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْأُولِي النُّهَى“^۷

”کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ، بلاشبہ اس میں زیر کی ودانائی کے حاملین کے لیے بڑی نشانیاں موجود ہیں۔“

حفاظت اشیاء کے لئے انسان کو ذمہ دار قرار دیا گیا تاکہ جب انسان اس کائنات میں قدم رکھے تو وہ جس ذمہ داری کا پابند بنا کر بھیجا گیا ہے اسے احسن طریقے سے انجام دے قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا“^۸

”اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا۔“

کیوں کہ انسان یہاں بحیثیت خلیفہ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس زمین کی حفاظت کرے اسے آباد کرے۔ کسی بھی حالات میں قدرتی ماحول کی سرسبز و شادابی ایک صحت مند معاشرے کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے رسول مکرم ﷺ نے ان تمام اقدامات کو سراہا ہے جو عمومی ماحول کو تروتازہ بنائے۔ پودے، پھل درخت ہماری فضا کو نکھارتی اور صاف ستھرا بناتے دیتے ہیں، اسی لیے درختوں کی افزائش کو ایک مستحسن اور عمدہ عمل قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ، أَوْ دَابَّةٌ، أَوْ طَيْرٌ، إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ“^۹

”جو مسلمان کوئی درخت یا کھیتی اگاتا ہے، جس سے کوئی پرندہ یا انسان یا حیوان کھاتا ہے، تو یہ بھی اس کے لیے باعثِ ثواب ہے۔“

بنجر اور بے آباد زمینوں کی بحالی کے لیے شریعت نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ جو شخص ایسی زمین کو جو کہ کسی کی ملکیت نہ ہو اسے آباد کرے وہ اس کا مالک تصور ہو گا۔ یعنی کہ معاشرے کی پائیدار ترقی کے لیے ماحولیاتی نظام کا تحفظ ہر انسان کی ذمہ داری ہے، جس سے نہ صرف خود مستفید ہو سکتا ہے، بلکہ سارے ماحول، معاشرہ پر امن اور خوشحال ہو گا۔ یہی تصور قرآن و حدیث میں توازن، اعتدال، تقدیر اور میانہ روی وغیرہ مختلف انداز اور متعدد اسالیب کے ساتھ کئی ایک مواقع پر استعمال ہوا ہے، کیونکہ اسلامی معاشرہ ہی تہذیبوں کے تصادم میں ایک ایسی ماحولیاتی نظام کے بقاء کی تعلیم دیتی ہے، جو بنی نوع انسان، درند، پرند و چرند کی نہ صرف حفاظت کرتا ہے، بلکہ اس کے لیے ایک بہترین نظام بھی مہیا کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بقائے حیاتِ انسانی ہی نہیں بلکہ اس کی بقاء کے ضامن بننے والے اسباب و عوامل کی بقاء کو بھی قدرت نے تحفظ دے رکھا ہے۔ اور جہاں ہمارے کھانے پینے اور دیگر اشیائے ضروریہ کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا ہے وہیں ہمارے سہولت کاروں یعنی مویشیوں

وغیرہ کی بقائے حیات کے لیے بھی وافر مقدار میں ذرائع اور وسائل بہم پہنچا دیئے گئے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی کی بقا کے لیے قدرتی ماحول کی اہمیت و ضرورت کیا اور کس قدر ہے؟ اور یہ بھی کہ ان کے معاملے میں کسی کوتاہی یا بے اعتدالی کی گنجائش کہاں تک ہے؟

پُرشد حالات اور اسلامی تعلیمات

جنگوں اور تشدد کے حالات میں اسلامی تعلیمات بہت ہی جامع، دو ٹوک اور واضح ہیں۔ جہاں جہاں تعبیری نوعیت کی غلطیاں ہوئی ہیں، ان صاف اور واضح تعلیمات کے آگے ٹھہرنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور اصلاح احوال کی کھلی دعوت روز بروز ابھر کر سامنے آتی جا رہی ہے۔ تشدد تو ایک ماورائی شے ہے۔ اسلامی تعلیمات تو اس کی قطعی کوئی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ البتہ جنگوں کے حوالے سے بھی قرآن کریم حرب بمعنی جنگ کے روایتی کلمہ کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے اس کو قتال کا نام دیتا ہے جو دو فریقوں کا ایک باہمی عمل ہوتا ہے گویا فریق مخالف جنگ پر ہی تل جائے تو ارشاد ہے:

”أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ، الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ“۔ ۱۰

”جن لوگوں کے اوپر جنگ مسلط کی جا رہی ہے اُن کو بھی اجازت دے دی گئی ہے، اور بلاشبہ اللہ اُن کی مدد و نصرت کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی لوگ جو اپنے گھروں سے ہی ناحق نکال باہر کر دیئے گئے صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔“

اب یہ بات کسی امام و مجتہد کی طرف سے بھی نہیں کی گئی حتیٰ کہ اس کی صحت یا سند پر کوئی کلام کر سکے۔ یہ قرآن کریم کی صاف و صریح آیات کریمہ ہیں۔ یہ وہ فرمانِ پاک ہے جو قرآن کریم کے صفحات پر آبِ قیامت تک کے لیے محفوظ بنادیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کوئی گتھی نہیں جس کو سلجھانا پڑے اور اس راہ میں کسی ابہام یا دشواری کا ہی سامنا ہو جائے کہ اجازت دے دیئے جانے سے آخر کیا مراد لیا جاسکتا ہے؟ لہذا اسے کوئی معنی بھی نہیں کہہ سکتا۔

اقوام عالم کا نظریہ جنگ

تاریخ انسانیت میں اکثر و بیشتر لڑی جانے والی جنگوں میں کسی ضابطے کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ ان پاس کسی قانون و اصول کی پاسداری کا خیال ذہن میں ہی نہیں تھا۔ بلکہ ان جنگوں کے ذریعے انسانی زندگی فتنہ و فساد کی آماج گاہ بنایا جا چکا تھا۔ مقابل اقوام اور ملکوں کے انسانوں کو بے دردی سے تہ تیغ کر دیا جاتے تھے۔ ان کاموں کا اہم سبب یہ تھا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین مخصوص رنگ و نسل اور جنس و علاقہ کی عکاسی کرتا تھے۔ انہیں امور کی تحت ان کے یہاں جنگ کے اغراض و مقاصد مختلف تھے۔

اسلامی قوانین جنگ

اسلامی قوانین جنگ سے متعلق ذیل میں وہی امور بیان کیے جا رہے ہیں جن پر قوانین جنگ کی بنیاد قائم ہے۔

۱۔ اطاعت امیر

اسلام کا اہم قانون یہ ہے کہ امیر پر تمام اعمال کی ذمہ داریاں اور امر و نہی کے اختیارات کا حامل ہے۔ اور اس مرحلہ میں جنگ کی معمولی کارروائی بھی امیر کی اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ امیر کی اطاعت، خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس درخشاں اسلامی تعلیمات اور اطاعت امیر کی مثالیں قرآن و سنت میں بے شمار اور متعدد مقامات پر موجود ہیں۔ اور یہ تعلیمات اس حقیقت نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں یہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اطاعت امیر ایک اہم حکم فریضہ ہے جو ہر فرد مجاہد و غیر مجاہد پر لازم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ ۱۱

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کی رسول کی فرمانبرداری کرو ان لوگوں کی بھی تمہارے سربراہ ہیں۔“

اور ایک مقام پر رسول مکرم ﷺ نے بھی اطاعت امیر کو لازم قرار دیا ہے اور ساتھ ہی اس کے لئے خوشخبری بھی دے دی۔ حدیث نبوی میں آتا ہے:

”مَنْ أَطَاعَنِي، فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي، فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ أَطَاعَ الْإِمَامَ، فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى

الْإِمَامَ، فَقَدْ عَصَانِي“ ۱۲

”جس نے میری پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی و اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امام / امیر کی اطاعت کی اس نے میری پیروی کی اور جس نے امام / امیر کی نافرمانی کی اس نے یقیناً میری نافرمانی کی۔“

۲۔ معاہدات کی پاس داری

ریاست کی بقاء کے لئے اور اخلاقی اقدار کے حوالہ سے معاہدہ کی پاسداری بہت ہی ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات ان امثلہ سے مزین ہیں۔ تاریخ بھی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے معاہدات پر ہر صورت میں عمل بھی کیا اور کسی بھی موقع پر معاہدات سے انحراف بھی نہیں کیا۔ پھر اگر یوں بھی ہو کہ معاہدہ کے خلاف مسلمان مدد طلب کرے تب بھی معاہدے کا لحاظ رکھا جائے گا اور اس کو توڑا نہیں جائے گا۔ عام احوال و کوائف میں معاہدے کے تقدس کا خیال رکھا جائے گا۔ یعنی معاہدات کا ہر دو صورت پاس و لحاظ رکھنا اسلامی تعلیمات کا شعار ہے۔ اس حوالہ سے قرآن و سنت میں ایفاء عہد کے لئے متعدد فرامین اور ہدایات موجود ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا“ ۱۳

”اور اللہ کا عہد پورا کرو، جب تم کسی سے عہد کرو اور قسموں لینے کے بعد، انھیں مت توڑا کرو، جس وقت تم اللہ کو اپنے آپ کا ضامن بنالو۔“

رسول کریم ﷺ کے اسوہ مبارکہ پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو باور ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ہاں مسلح جدوجہد کا کوئی تصور تک موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ لوگوں میں سمجھ دار و دانائی کا فروغ و پرچار کرتے ہیں، ان کی عقل و دانش میں اضافہ فرمانے کے لئے تمام تر اسباب و وسائل کو بروئے کار لوگوں کو ان کا بھلاؤ پر بہت ہی عمدگی و نفاست کے ساتھ سمجھا کر ذہن نشین کرواتے ہیں اور پھر لوگوں کو آزادانہ ماحول میں یہ موقع فراہم کرتے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے اپنی راہ عمل کا انتخاب کریں، تاکہ اپنے کئے کے نتائج و عواقب کی ذمہ داری بھی قبول کر سکیں۔ اگر زبردستی کسی کو کسی راہ پر دھکیلا جائے اور اپنی مرضی سے رگید کر اپنی پسندیدہ راہ پر ڈال دیا جائے تو لامحالہ نتائج و عواقب کی ذمہ داری کسی بھی مجبور محض کے سرعاند نہیں کی جاسکے گی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے لوگوں کی بھلائی و بہتری کے لئے نیز ان کی بہبود کے لئے رات دن ایک کیا ہے۔ بجای طور پر کہا جاسکتا ہے آپ ﷺ نے لوگوں کے اوپر اپنی جان چھڑکی اور یہ بات ہم نہیں کہہ رہے قرآن کریم فرقان حمید نے یہ بات سورہ کہف اور سورہ شعراء میں دہرا کر بیان فرمائی ہے۔ اور دونوں سورتوں میں یہ بات تمحیدی طور پر آئی ہے سورہ الکہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا“ - ۱۴

”لگتا ہے کہ اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو اسی رنج میں آپ ان کے پیچھے جی جان سے ہی گزر جائیں گے۔“

نیز ارشاد پاک ہے:

”لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ“ - ۱۵

”لگتا ہے کہ آپ جی جان سے ہی گزر جائیں گے کہ یہ لوگ مومن کیوں نہیں ہو جاتے۔“

یہ دونوں آیات رسول کریم ﷺ کی جہد مسلسل اور سعی بہم کا نقشہ بہت ہی عمدگی سے پیش کر رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے انقلاب لانے کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے کہ اللہ کا پیغام ہے اور اس کے بندوں تک پہنچا دیا ہے اب آگے ان کی مرضی ہے کہ مانے اور اس پر عمل کریں یا نہ مانے اور اپنی سابقہ روش پر رہ قائم رہ جائیں۔ لیکن اس صورت حال میں آپ ﷺ نے ارد گرد کے ماحول بہتر سمجھتے ہوئے عملی اقدامات فرمائے۔ اور نہ آپ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ لوگوں کے زور زبردستی اپنے بات منوانے کے حامی تھے بلکہ آپ ﷺ کا حسن اخلاق کی بنیادوں پر مخالفین بات ماننے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اسی دستور و اسلوب کے تحت آپ ﷺ نے پوری زندگی امن و سلامتی کا درس دیتے ہوئے کاروان کو منزل بمنزل آگے بڑھایا۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق کے علاوہ غزوہ خیبر کے مرحلے بھی خوش اسلوبی سے طے کئے، اور صلح حدیبیہ پر دستخط بھی فرمائے اور سب سے بڑے سنگ میل مکہ مکرمہ کو بھی فتح فرمالینے بعد جو الفاظ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمائے تھے سنہری حروف کے لکھے جانے کے لائق ہیں فرمایا:

”قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا، أَخْ كَرِيمٌ، وَأَبْنُ أَخٍ كَرِيمٍ، قَالَ: أَذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ“ - ۱۶

”اے قریش کے معاشرتی و عمرانی گروہ تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ میں تم لوگوں کے معاملے میں کیا فیصلہ کرنے لگا ہوں، سب نے بیک زباں جواب دیا اچھائی اور بھلائی کا آپ عزت و شرف رکھنے والے بھائی ہیں اور معزز و مکرم باپ کے بیٹے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اب تم سب آزاد ہو۔“

اس فقرے کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے قریش مکہ کی مذکورہ بالا جنگوں میں تمام ترو حشنتوں، بربریتوں اور خون آشامیوں کھڑے کھڑے معاف فرما ان کو تمام جنگی جرائم کے مقدمات بری اور آزاد فرما دیا تھا۔

۳۔ انسانی آبادی میں تباہی و بربادی کی ممانعت

اسلام نہ تو ناحق خون بہانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ دشمنوں کی املاک و جائیداد کو تباہ و برباد کرنے کو جائز ٹھہراتا ہے، اور نہ یہ اعمال اسلام کے مقاصد جلیلہ کے شایان شان ہی ہیں۔ اسلام فتنہ و فساد کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے کہ حقیقی معنوں میں یہ امن و آشتی کا علم بردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالت جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نہ کھیتیاں تباہ و برباد کی جائیں، نہ پھل دار درختوں کو کاٹا جائے اور نہ املاک کو نذر آتش کیا جائے۔ یہاں تک کہ کفر و شرک کا علم بردار محارب فریق میدان جنگ میں بھی، اہل ایمان محارب فریق سے امن و عافیت کا خواہاں ہو تو ہاتھ روکنے کا حکم ہے۔ اسلام کو اگر وہ سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو موقع دیا جائے گا اور پھر بھی اگر وہ اسلام سے بے زاری کا اظہار کرے تو حکم یہ ہے کہ اسے اس کے محفوظ مقام تک پہنچا دیا جائے۔

۴۔ انتقامی کارروائی سے ممانعت

اسلام عفو و درگناہ ہے۔ اسلامی ریاست و مملکت میں انتقامی سیاست کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی جواز فراہم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ جنگوں میں بھی انتقامی کارروائی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ فاتح اقوام جوش انتقام میں فتح و کامرانی کے بعد قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کر دیتی ہیں کہ انسان کے روگٹے کھڑے ہو جائیں۔ نت نئے اسلحہ جات کے ذریعے انسانی لاشوں کے چیتھڑے اڑا دیے جاتے ہیں۔ گویا کہ مفتوح قوموں کی تباہی و بربادی مقدر بن جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے:

”قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَظَ أَهْلِهَا أُذَلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“ ۱۷

”اس نے کہا: بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو درہم برہم اور اسکے معززین کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں اور یہی یہ لوگ بھی کریں گے۔“

ہم نے دراصل جہاد کو جو ایک کائناتی حقیقت ہے اور ہر چیز اپنی بقا کے لیے پوری کائنات کے اندر اس کو ہمہ وقت جاری و ساری رکھے ہوئے ہے کو محدود و مخصوص کرتے ہوئے اس کو اور اس کی معنویت کو قتال کے ساتھ مختلط کر دیا ہے۔ کبھی اور کسی خاص مقام پر پہنچ کر اپنی بقا کے لیے قتال بھی ایک وسیلہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ بھی لفظ جہاد کے اندر کائنات کے جیسی و سعتیں سمٹی ہوئی ہیں۔ قتال کی ایک خاص صورت حال نے لفظ جہاد کی باقی حقیقتوں کو ہڑپ کر لیا ہے۔ جب تک اس جہاد کو اس قتال کے پیٹ سے اگلو کر اس کا باقاعدہ احیاء نہیں کر دیا جاتا، ہمیں مشکلات کا سامنا ہی رہے گا۔

جہاد فقط ایک پُر امن جدوجہد کا ہی نام ہے۔ اور دنیا کی ہر شے ہمہ وقت اپنی بقا کے لیے جو جدوجہد کرتی ہے وہ جہاد ہی ہے۔ صحرا میں ایک ہرن شکاری کی بدوق سے بچنے کے لیے بھاگ نکلتا ہے تو یہ بھی جہاد ہے۔ کسی پہاڑ کی چوٹی پر جی ہوئی ایک بے جان سی چٹان سخت سردیوں میں سکڑتی اور پھر گرمی پڑنے پر پھیلتی ہے۔ اس اثنا میں اُس کو چٹ جانے اور ٹوٹ کر اپنا وجود کھو بیٹھنے کا ڈر ہے۔ وہ اپنی وحدت کو برقرار رکھنے کی جو تگ و دو کرتی ہے وہ بھی جہاد ہے۔ اور کسی سانپ کی دُم پر بے دھیانی میں آ جانے والے پاؤں کے اوپر دُس کر سانپ پاؤں رکھنے والے کو مجبور کر دیتا ہے کہ اپنا پاؤں ہٹا دے تاکہ وہ بسلا مت اپنے ٹھکانے تک چلا جائے تو یہ بھی ایک جہاد ہی ہے۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ سانپ نے پہلے اپنی دُم پر پاؤں آ جانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ پھر جب پاؤں آچکا ہے تو اُس نے اس کو ہٹانے کے لیے قدرت کا دیا ہوا ہتھیار استعمال کیا اور اپنی جان بچائی ہے۔ بیچارہ ایک زہریلا کیڑا اپنی نادانی کے باعث اپنی دُم پھنسا بیٹھا ہے۔ اس لیے اب قدرت کا دیا ہوا ہتھیار استعمال کرنے پر وہ بھی مجبور محض ہی ہے۔ شعور ہو تو دُم پر پاؤں پڑ جانے کے مواقع سے بچا بھی جاسکتا ہے۔ سوال یہ کہ آیا حضرت انسان کا خود کو اس نادان کیڑا نما سانپ پر قیاس کر لینا قیاس مع الفارق نہیں ہو گا؟ یقیناً یہ ایک قیاس مع الفارق ہی ہو گا۔ وہ کہاں اور ہم کہاں؟ وہ نادان، ہم دانہ۔ وہ حشرات الارض، ہم اشرف المخلوقات۔ اور اشرف المخلوقات میں سے بھی خیر امت۔ بھلا کیا نسبت ہے ان دونوں میں؟ یقیناً عقل و خرد کا درست استعمال ہمیں جہاں مشکلات سے بچا سکتا ہے وہیں ہم نادانی کے باعث اپنی دُم بھی پھنسا لیا کرتے ہیں۔ پھر حیرت یہ بھی ہے کہ نادانی ہم کریں اور سزا دوسروں کو کیوں؟

سیرت طیبہ اور خلفائے راشدین

قدرتی ماحول ایک بہت ہی بیش بہا خزانہ اور قدرت کا گراں قدر عطیہ ہے۔ عالم انسانی کی سلامتی و بقاء بھی اسی کی سلامتی و بقاء پر ہی منحصر ہے۔ اس لیے انسانی عقل دانش بھی قدرتی ماحول کے تحفظ اور سلامتی کا تقاضا اور مطالبہ کرتی ہے۔ انسان اپنی ضروریات کو بخوبی جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہے کہ قدرتی ماحول کو پہنچنے والا ہر نقصان کسی نہ کسی طرح ضرور اس کو بھی متاثر کرے گا اور نقصانات سے ہی دوچار کرے گا۔ پاکستان میں گزشتہ چند ماہ میں غیر معمولی بارشوں نے وطن عزیز کے طول و عرض میں جو تباہیاں مچائی ہیں وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔ یہ سب قدرتی ماحول کو پہنچائے گئے نقصانات کا قدرتی رد عمل ہی تھا۔ اس لیے سب سے بنیادی ضرورت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کو آگہی دی جائے اور ان کے فہم و شعور میں اضافے کے اسباب پیدا کیے جائیں۔ صرف اسی طریقے پر ہم قدرتی ماحول کو پہنچنے والے نقصانات کا سلسلہ روکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔^{۱۸}

قرآن مجید اور اُسوۂ رسول کریم علی صاحبہ التّحیۃ والتّسلیم دونوں ہی لوگوں میں سمجھداری و دانائی کے فروغ و پرچار پر متفق ہیں۔ اور وہی کچھ کرتے یا کہتے ہیں جو لوگوں میں عقل و خرد کی تخم ریزی اور آبیاری کرے۔ اُن کی سوجھ بوجھ میں غیر معمولی اضافہ ہو۔ اور وہ معاملہ فہمی اور حکمت و دانش کے جوہر سے آراستہ ہو کر اپنے لیے جرات مندانہ بنیادوں پر راہِ عمل کا انتخاب کریں۔ سورہ جن کے اندر یہ بات صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم رشد و دانائی کی طرف راہبری کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

”يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَامْنًا بِهِ وَلَنْ نَشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا“۔^{۱۹}

”یہ قرآن دانائی کی طرف راہبری کرتا ہے تو ہم اس کے اوپر ایمان لے اور ہم ہر گز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

اسلام بہکانے کے عمل پر یقین نہیں رکھتا۔ قرآن واضح الفاظ میں نشاندہی کرتا ہے کہ بہکانا ایک شیطانی عمل ہے اور شیطان نے ہی ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کو شجرہ ممنوعہ سے استفادہ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ قرآن کریم بتاتا ہے:

”فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتَ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى“ ۲۰

”تو پھر ہوا یہ کہ اُن دونوں نے اُس میں سے کچھ لیا تو اُن کے اوپر اُن کی شر مگاہوں کے راز کھل گئے اور وہ دونوں ستر پوشی کے لیے بہشت کے پتے اپنے اپنے اوپر ٹانگنے لگ گئے۔ اور آدم نے اپنے رب کا کہانہ مانا اور بہک گئے۔“

اس لیے وسوسہ اندازی اور بہکاوا بھی ایک برا اور شیطانی عمل ہی ہے۔ اس کے ناپسندیدہ عمل ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ یہ ایک شیطانی عمل ہے۔ وہ اس بہکاوے کو بطور ہتھیار استعمال کر کے لوگوں کو بہکاتا اور ورغلاتا ہے اور گمراہ کر دیتا ہے۔ تاکہ یہ اپنے رب کے شکر گزار بندے نہ بن سکیں۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ لوگوں میں عقل و دانش اور سمجھداری و دانائی کے فروغ و پرچار پر پوری توجہ صرف کی جائے۔ یہی ہمارے پیارے آقا علیہ السلام کے اُسوہ مبارکہ کا بھی تقاضا ہے کہ لوگوں کو معاملہ فہمی کی تعلیم دی جائے۔ جب لوگ معاملات کو سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت حاصل کر لیں گے تو اپنی ہر بد عملی کے نتائج و عواقب بھی اُن کے اوپر منکشف ہو جائیں گے۔ پھر وہ غلط کاریوں سے سیدھے سبھاؤ باز آجائیں گے۔ فتنہ و فساد کے خاتمہ کے لیے بھی یہی اکسیر اعظم ہے۔ دین داری کے لیے بھی جہاں انسانیت بنیادی شرط ہے وہیں ذاتی سوجھ بوجھ پر انحصار کے علاوہ انسان کے پاس عقل سلیم کی دولت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ معاملہ فہم و دانائی جہاں براہ راست ہماری بقاء کے لیے ضروری ہے وہیں یہ ماحولیاتی تحفظ کی بھی بنیادی شرط بن کر سامنے آتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کے اُسوہ مبارکہ میں جنگ و جدال، فتنہ و فساد اور تباہ کاری و سبوتاژ کا کوئی عنصر ہی شامل نہیں ہے۔ اس کے برعکس آپ ﷺ ایسے ناپسندیدہ عناصر کی بیخ کنی فرماتے نظر آتے ہیں۔ اگر حضور رحمتہ للعالمین کی سیرت طیبہ میں ایسی کوئی گنجائش موجود ہوتی تو اہل بیان مکہ جنہوں نے آپ ﷺ کے بشمول بڑی تعداد میں مسلمانوں کو محض اختلاف عقیدہ کی بنا پر ناحق اُن کے گھروں سے ہی نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور بعد ازیں جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے خلاف تلوار اٹھائی، کئی جنگیں لڑیں اور آپ ﷺ کے درجنوں ساتھیوں کو ان جنگوں میں شہید کر دیا کبھی آپ ﷺ کے انتقام سے نہ بچ سکتے۔ ان سب کے جرائم تو بہت واضح تھے اور خالص جنگی نوعیت کے ہی تھے۔ لہذا آپ ﷺ نے ان سب کے لیے عام معافی کا اعلان فرما کر دراصل ہمیشہ کے لیے تشدد کی راہ روک دی ہے۔ اس کے نتیجے میں دہائیوں پر محیط کشیدگی اپنے اختتام کو پہنچ گئی تو انسانی سکون و آسودگی یقینی طور پر اس کے ماحول پر خوشگوار اثرات مرتب کرنے کا باعث بنی ہے۔

عصر جدید میں رواں دواں حالات کا اگر بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو دو ہی عناصر باہد گر برسرِ پیکار نظر آئیں گے۔ ان میں سے ایک بہکاوا ہے۔ اور دوسرا ہتھیاروں کا ناروا استعمال ہے۔ اور یہ دونوں کسی بھی طرح سے اُسوہ رسول کریم علی صاحبہ التخی و التسلیم کے محبوب و مرغوب نہیں ہیں۔ بلکہ پہلا تو سیدھا سیدھا ایک شیطانی عمل ہی ہے۔ جبکہ دوسرے کے معاملے میں بامرِ مجبوری استعمال کی اجازت ضرور ہے۔ جیسا کہ سورہ

الحج کی آیت نمبر ۳۹ سے بھی باور ہوتا ہے۔ مگر اس پر بھی انحصارِ روانظر نہیں آتا۔ رسول کریم ﷺ ماحول کی سلامتی کو کس قدر اہم قرار دیتے ہیں؟ مندرجہ ذیل روایت سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے:

”أَطْفُوا الْمَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ“^{۲۱}

”رات کو جب تم لوگ سونے لگو تو چراغ بجھا دیا کرو۔“

مسلم شریف کی روایت بھی ملاحظہ فرمائیے:

”إِنَّ هَذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوُّ لَكُمْ، فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ“^{۲۲}

”بلاشبہ یہ آگ تمہاری بھی دشمن ہے، تو جب تم سونے لگو تو اپنے بچاؤ کے لیے اس کو بجھا دیا کرو۔“

احتیاط کا یہ عالم ہے۔ رات کو کسی بھی وجہ سے پورے گھر میں آگ بھڑک کر سب کچھ تباہ کر سکتی ہے۔ لہذا اس معاملے میں بھی غفلت کی اجازت تک نہیں ہے۔ گویا سونے اور جاگنے دونوں طرح کے حالات میں اپنے گرد و پیش میں ممکنہ طور پر نقصان سے دوچار کرنے کی صلاحیت رکھنے والے عناصر پر گہری نگاہ رکھنا اور بے خوف ہونے یا سونے سے پہلے ان خطرات کا تدارک رسول کریم ﷺ کے اس فرمانِ پاک سے براہِ راست مستفاد ہے۔ ابوداؤد میں وارد ہے:

”قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةَ صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ« سئل أَبُو دَاوُدَ عَنْ مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ: «هَذَا الْحَدِيثُ مُخْتَصَرٌ، يَعْنِي مَنْ قَطَعَ سِدْرَةَ فِي فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيلِ، وَالْبَهَائِمُ عَبَثًا، وَظُلْمًا بَغَيْرِ حَقٍّ يَكُونُ لَهُ فِيهَا صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ“^{۲۳}

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیری کے درخت کو کاٹا اللہ اُس کے سر پر آگ بہا دے۔ ابوداؤد سے اس حدیث کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حدیث مختصر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی صحرائی علاقے میں سے بیری کا درخت، جس کے نیچے کوئی مسافر یا چوپائے سایہ تلاش کیا کرتے تھے، بیکار میں ظلم کے طور پر بلا جواز کاٹ ڈالا تو یہ فرمانِ اُس کے لیے ہو گا کہ اللہ اُس کے سر پر آگ بہا دے۔“

عصرِ جدید کی غیر معمولی موسمیاتی تبدیلیاں اور ان کا قدرتی ردِ عمل بلاشبہ سر پر آگے بہا دینے کے ہی مترادف عمل ہے۔ اسی دوسروں کے سر سے سایہ چھین لینے والے کو سایہ نصیب نہ ہو بھی مراد ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ فساد فی الارض ہے۔ قدرتی ماحول کو نقصان پہنچانا انسانیت کو خطرات سے دوچار کر دینے کے مترادف ہے۔ اگر فساد فی الارض کی شکل محدود ہے تو اثرات بھی محدود ہی ہوں گے مگر یہی عمل اگر چاروں طرف جاری ہو جائے اور غیر محدود شکل اختیار کر لے تو یقیناً اس کے نتائج و عواقب بھی پوری انسانی برادری کے لیے نہایت تباہ کن ثابت ہوں گے۔ قرآن کریم نے ایسے کسی بھی عمل کو فساد فی الارض کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے اور برا عمل ہی بتایا ہے۔ ارشادِ پاک ہے:

”وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ“^{۲۴}

”اور جب پلٹے گا تو کوشش کرے گا زمین میں تاکہ وہ اس میں فساد برپا کر دے اور فصل اور نسل کو ہلاک کر دے حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔“

بربادی خواہ فصلوں کی ہو یا نسلوں کی یہ فساد فی الارض ہی ہے۔ قدرتی نظام میں رخنہ اندازی ہے۔ اور اس کی تباہی و بربادی ہی کی سعی و کوشش ہے۔ اور ایسی کوئی بھی کوشش جو قدرتی نظام العمل کو یا اس کے ماحول کو خطرات سے دوچار کر دے سراسر انسان دشمنی ہی ہے۔ گویا نظام زندگی کو درہم برہم کر دینا ہی فساد ہے۔ اور فساد عالم انسانیت کے لیے خطرات کا موجب ہے۔ انسانی آبادیوں کے اطراف میں موجود قدرتی عناصر دراصل وہاں کی زندگی کو متوازن بنا رہے ہوتے ہیں۔ جب ان کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا تو اس کے اثرات یقیناً مرتب ہوں گے۔ البتہ جنگوں کے موقع پر درخت ایک زبردست آڑ کا کام بھی دے سکتے ہیں اور دفاعی نکتہ نظر سے اہمیت اختیار کرتے ہیں لہذا بوقت ضرورت ان سے جس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے اُسی طرح ان کو راہ سے ہٹایا بھی جاسکتا ہے۔ غزوہ خندق کے دفاعی حصار کے بارے میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا۔“^{۲۵}

چنانچہ اس دفاعی حصار سے جنگی حالات میں فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ جبکہ دشمن کے شجری دفاعی حصار کو مسمار کر دینے کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہے:

”مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْ هَاقِئَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ“^{۲۶}

”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے اور جن کو تم نے اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہوا ہے، اور تاکہ قانون شکنوں کو سزا ملے۔“

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا، لَا يُقَطَّعُ عِضَاهُهَا، وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا“^{۲۷}

”بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا شہر بنایا ہے، اور میں مدینہ کو حرمت والا شہر بناتا ہوں۔ اس کے دونوں کناروں کے مابین درخت نہیں کاٹے جائیں گے اور اس میں کوئی شکار نہیں کیا جائے گا۔“

مسلم ائمہ کی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو سب سے معتبر گواہی حسب ذیل ہے۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج کی فصل الکلاء و المروج میں روایت کرتے ہیں:

”عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ حَرَّمَ عِضَاءَ الْمَدِينَةِ وَمَا حَوْلَهَا اثْنِي عَشَرَ مِيلًا، أَيَّ جَنْبِهَا، وَحَرَّمَ الصَّيْدَ فِيهَا أَرْبَعَةَ أَمْيَالٍ حَوْلَهَا“^{۲۸}

”آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے اطراف و اکناف میں بارہ میل تک کے علاقے میں درخت کاٹنے کو حرام قرار دے دیا تھا اور چار میل تک کے علاقے میں شکار کرنے کی بھی ممانعت فرمادی تھی۔“

اس کے تحت امام ابو یوسف دیگر علماء کے ساتھ ساتھ اپنی بھی رائے دیتے ہیں:

”إِنَّمَا هُوَ لَاسْتِيقَاءِ الْعِضَاءِ لَأَنَّهُمَا رَعَى الْمَوَاضِي مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ“ - ۲۹

”یہ سب صرف اور صرف مدینہ طیبہ کے اطراف میں موجود درختوں کی بقاء کے لیے ہی اقدام فرمایا گیا تھا۔ اس لیے کہ یہ سب درخت، اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں کا چارہ ہوا کرتے تھے۔“

رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے اطراف و اکناف میں بارہ میل تک کے علاقے سے درخت کاٹنے پر پابندی عائد فرما کر مدینہ طیبہ کے قدرتی ماحول کو درپیش خطرات سے محفوظ بنادیا تھا۔ بارہ میل تک کے علاقے سے باہر کوئی جائے اور وہاں سے جاکر درخت کاٹ کر لائے تو دقت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ درخت صرف کسی انتہائی مجبوری کے تحت ہی کاٹا جاسکتا ہے۔ البتہ انسانی آبادی کے اطراف میں درختوں کی موجودگی کو ضروری قرار دیتے ہوئے ان کے تحفظ کے آپ ﷺ نے باقاعدہ ہدایات جاری فرمادی تھیں۔

یہاں ایک بنیادی بات جسے مد نظر رکھنا ضروری ہے یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسف اور دیگر علماء کی نظر میں آپ ﷺ کے اس فرمان پاک کے پیچھے لوگوں کی خوراک کی ضرورت کا لحاظ پیش نظر تھا۔ خوراک اپنی جگہ بقائے حیات کے لیے ایک ناگزیر عنصر تو ہے۔ مگر عصر جدید میں آکر آپ ﷺ کے ان احکامات و اقدامات کی معنویت ہی تب واضح ہوئی ہے جب قدرتی ماحول کی بربادی کے باعث عالم انسانی تکلیف و اذیت سے دوچار ہوا ہے۔ لہذا عصر جدید کے ماہرین کی رائے بھی متذکرہ بالا رائے سے بہت مختلف ہے۔ یہ فقط مویشیوں کے چارہ کا معاملہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی بقاء کی ضرورت و ناگزیریت اس سے بھی بہت بڑھ کر تھی۔ عصر جدید میں غیر معمولی موسمیاتی تبدیلیوں کا بنیادی سبب اسی نظام کی تباہی ہے۔ ماحول کی بقاء کو ان محدود نوعیت کی ضرورتوں کے ساتھ جوڑ کر سمجھنے کی بجائے ایک وسیع تر تناظر میں رکھ کر دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت کئی چند ہو گئی ہے۔ مسلم حکمرانوں کو اس بات کا احساس تاریخ کے مختلف ادوار میں رہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

”قرون وسطیٰ میں ہندوستان کے مغل سلطنت میں ماحولیاتی بیداری آئی۔ مغل سلطنت میں سب سے اہم کام شیر شاہ سوری کا ہے۔ اُس نے ۱۵۴۰ء-۱۵۴۵ء تک اشوکا کے طرز پر عوامی کاموں کے ذریعے بہت سے کام کروائے۔ اُس نے سرنگ بنوائی، پل بنوائے راستے بنوائے، کنویں کھدوائے، بڑے راستوں کے ہر چار میل پر سایہ دار درخت لگوائے۔ اس کا یہ کام بعد کے مغل سلطانوں اور برطانوی سامراج کیلئے نمونہ بن گیا۔“ - ۳۰

عالمی سطح پر ماحولیاتی تباہی اور اس کے اثرات زیر بحث آچکے ہیں۔ مسلح تصادم اور تشدد کے حالات میں بھی اس کی بقاء زیر بحث ہے اور عام حالات میں بھی اس کی بقاء اور فروغ و بحالی پر توجہ صرف کی جا رہی ہے۔ فی زمانہ ان تبدیلیوں اور ان کے ظاہر و متوقع اثرات کو قرآن کریم کے حسب ذیل فرمان پاک کے مصداق جاننا۔ ارشاد ہے:

”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“ - ۳۱

”فساد چھا گیا ہے کہ بحر و بر میں لوگوں کے اپنے ہی ہاتھوں کے کیے دھرے کے باعث تاکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو کچھ بد اعمالیوں کا مزہ چکھادے ممکن ہے باز آہی جائیں۔“

آپ ﷺ کے عہدِ اقدس میں انسانی آبادی بھی کم تھی۔ اُس کی ضروریات بھی محدود تھیں۔ اِس لیے شہر کے اطراف بارہ میل کا احاطہ ان تمام عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی یقینی طور پر مختص فرمایا گیا ہو گا۔ جب انسانی آبادی کا پھیلاؤ بڑھ گیا ہے اور اِس کی ضرورتیں بھی لامحدود ہو گئی ہیں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اِس سے قدرتی ماحول پر کس قدر دباؤ آیا ہو گا۔ چنانچہ عہدِ حاضر کی مذہبی قیادت، علماء و فضلاء کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اِس ضابطے پر عصری ضرورتوں کے مد نظر از سر نو غور فرمائیں۔ اور صرف بارہ میل کی حدود پر ہی اکتفاء کر لینے کی بجائے اُن وقتوں کی مجموعی انسانی اور آج کی انسانی آبادی کے تناسب سے از سر نو ان حدود کا تعین فرما کر قوم کی رہنمائی کا اپنا فریضہ پورا کریں۔ بہر حال دیکھا جاسکتا ہے کہ درختوں کے تعلق سے رسول کریم ﷺ کا اُسوۂ مبارکہ ہمیں کیا سکھاتا اور تعلیم دیتا ہے۔ پورا عہدِ نبوی جس دستور کے تابع رہا ہے عہدِ خلفائے راشدین میں آپ ﷺ کے نافذ کردہ احکامات کو چھیڑنے کی کسی میں ہمت ہی نہیں۔ سب آپ ﷺ کے ہی تابع فرمان تھے۔ اور آپ ﷺ کے فرامین و احکامات پر اپنے پورے عرصہ حیات میں جی جان سے عمل پیرا رہے ہیں۔ کتاب الخراج کی مندرجہ بالا گواہی سے اسلامی تاریخ کے حوالے سے بھی اِس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

لہذا قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کی حد تک تو یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ قدرتی ماحول کی تباہی ایک انتہائی حد تک ناپسندیدہ عمل ہی ہے۔ اور اہل ایمان کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ خود اپنی نسلوں کے ساتھ ساتھ پوری انسانی برادری حتیٰ کہ جنگلوں میں رہنے بسنے والے چرند و پرند تک کو کسی بڑے خطرے سے دوچار کر دینے کا باعث بن جائیں۔ یہ سب قدرت کا بنایا ہوا ایک نظام ہے جس کی سازگاریت نے ہی اِس روئے زمین پر انسان کا رہنا، بسنا اور جینا ممکن بنا رکھا ہے۔ روئے زمین پر اور خود ہمارے گرد و پیش میں بیشمار قدرتی عوامل ہمہ وقت مصروف کار رہ کر آزار کار رفتہ بوسیدہ اور گلی سڑی اشیاء کے تزکیہ و تطہیر کا عمل جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ اور ابھی یہ چیز انسان کے جیٹھ اور اک سے بھی باہر ہی ہے کہ ان کائناتی عوامل کی کل تعداد کتنی ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کا دائرہ کار و اختیار کس کس چیز کو محیط ہے۔ یہ ملاحظہ کر لیجیے کہ اگر چرند و پرند مرداروں کو کھا کر ہضم نہ کر دیا کریں تو قدرتی ماحول اِس قدر متعفن ہو جائے کہ خود ہمیں ہی ہضم کر جائے۔ موجودہ دور میں جنگلوں اور تشدد میں قدرتی ماحول کی تباہی اور اُس حوالے سے مسلمان علماء کا کردار بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اختتامیہ

تحفظِ ماحولیات کی اسلامی بنیادیں ٹھوس بھی ہیں اور راست بھی ہیں۔ عہدِ رسالت اور عصرِ جدید میں نمایاں ترین فرق یہ ہے کہ اُن وقتوں میں انسانی آبادی کم اور محدود تھی اور ویرانے اور جنگلات وسیع رقبوں پر محیط تھے۔ آج عالم یہ ہے کہ بڑے بڑے جنگلات کو فنا کے گھاٹ اُتار کی اُن کی جگہ بستیوں آباد کی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یوں جنگلات کے حد سے زیادہ سکڑ جانے کے باعث ماحولیات کی توازن بری طرح سے بگڑ گیا ہے۔ چنانچہ ضرورت ہے کہ عصرِ جدید کے تقاضوں کے پیش نظر اہل علم و دانش لوگوں میں شعور و ادراک کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

تجاویز و سفارشات

۱۔ قدرتی ماحول کی سازگاریت کے بغیر روئے زمین پر حیات کی بقاء ممکن نہیں ہے۔ دیگر سیاروں کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۲. ابو البشر کی روئے زمین پر آباد کاری کے وقت جس متاع کا ذکر فرمایا گیا تھا وہ فقط استفادہ کے لیے تھی۔ اس کو تباہ کر دینا خود کشی کے مترادف عمل ہے۔ اس سے پرہیز پر لوگوں کو آمادہ کر دینا گزیر شکل اختیار کر چکا ہے۔
۳. جنگیں اور تشدد اسلامی تعلیمات سے مطابقت ہی نہیں رکھتے۔ اگر جنگ مسلط کر دی جائے تو حسبِ ضرورت اُس کا جواب ہی دیا جاسکتا ہے۔ ایسی کسی صورت میں بھی قدرتی ماحول انسان دوست ہونے کے ناتے کسی عتاب کا سزاوار ہی نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ کا انحصار انسانی شعور کے فروغ پر ہی ہے۔
۴. مسلمان آبادی کے لحاظ سے دنیا کی دوسری بڑی قوم ہیں اور غربت و افلاس کا شکار بھی ہیں۔ اس لیے قدرتی ماحول کی تباہی سے سب سے زیادہ مسلمانوں کے متاثر ہونے کے ہی خطرات ہیں۔ اس لئے ان ذمہ داریاں دوسروں کے مقابلے میں کئی چند ہو جاتی ہیں۔
۵. قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جا چکا ہے اور سطور مندرجہ بالا میں رسول کریم ﷺ کے تعلق سے مدینہ طیبہ کے قدرتی ماحول کے تحفظ کے لئے احکامات بھی زیر بحث لائے جا چکے ہیں۔ ان پر ان کی روح کے مطابق عمل درآمد ہماری دینی و مذہبی ذمہ داری بھی ہے۔ ماحول دوستی اور انسان دوستی کا ثبوت بھی ہے۔
۶. ذاتی سوچ بوجھ اور بہکاوے کا فرق بھی بتا دیا گیا ہے۔ اور قدرتی ماحول کو درپیش ان خطرات میں بہکاوے کا کردار بھی سب سے زیادہ ہونے کے ناتے انسانی فہم و شعور کے فروغ کے لیے سرگرم رضا کاروں اور تنظیموں کو یہ عنصر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔
۷. قدرتی ماحول کی بے رحمانہ تباہی روئے زمین کو نوچ کر بھدا بنانے کی وحشیانہ اور ایک نامعقول کوشش ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے اور جو حضرت انسان کے شیان شان بھی نہیں ہے کہ اچھے لوگ جس تھالی میں کھاتے ہیں اُس میں چھید نہیں کرتے۔

حوالہ جات:

¹ Embracing the Statutes of the United States of a General and Permanent Nature in Force, with an Appendix Covering Acts June 14 to July 16, 1918". Making of Modern Law: Primary Sources, 1763–1970: 1716.

² D.Johan Galtung, the Father of Peace Studies. In J.Galtung & D. Fischer (Eds.), Johan Galtung: Pioneer of Peace Research. New York: Springer. (2013. Vol. 5). P.35

^۳ القرآن، الروم، آیت ۳۰

⁴ Joseph A. Taintern , The Collapse of Complex Societies, Cambridge University press, 1990, P 167

⁵ Galtung, J. Cultural violence. Journal of Peace Research, (1990) 27(3), 291-305.

^۱ القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۲۴

^۴ القرآن، سورۃ طہ، آیت ۵۳

^۸ القرآن، سورۃ صود، آیت ۶۱

^۹ الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، باب فی فضل الغرس، (سعودیہ، مکتبہ دار المغنی للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰)، ج ۳، ص ۱۷۰۳، حدیث ۲۶۵۲

^{۱۰} القرآن، سورۃ الحج، آیت ۴۰، ۳۹

^{۱۱} القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹

^{۱۲} ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، (الریاض، مطبع دار السلام، ۱۹۹۸ء)، حدیث ۲۸۵۹

^{۱۳} القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹۱

^{۱۴} القرآن، سورۃ الکہف، آیت ۶

^{۱۵} القرآن، سورۃ الشعراء، آیت ۳

^{۱۶} ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، (ملتان: عبد التواب اکیڈمی، سن)، ج ۱، ص ۷۴

^{۱۷} القرآن، سورۃ النمل، آیت ۲

^{۱۸} <https://nwfc.pmd.gov.pk/new/print-press-release.php?press=205>, Accessed, Jan 12, 2023

^{۱۹} القرآن، سورۃ الجن، آیت ۷۲

^{۲۰} القرآن، سورۃ طہ، آیت ۱۲۰

^{۲۱} البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ترقیم ڈاکٹر مصطفیٰ دیب بُغَا، (بیروت: دار ابن کثیر، بلاس طباعت) رقم الحدیث: ۵۹۳۸

^{۲۲} القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (ریاض: بیت الافکار الدولیہ، ۱۹۹۸ء) رقم الحدیث: ۲۰۱۶

^{۲۳} السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۵۲۳۹

^{۲۴} القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۵

^{۲۵} شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، (کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۸۵ء)، ج ۱، ص ۲۴۵

^{۲۶} القرآن، سورۃ الحشر، آیت ۵

^{۲۷} القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۳۶۲

^{۲۸} امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۹۷۹ء)، ص ۱۰۴

^{۲۹} امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۱۰۴

^{۳۰} گوہر، محمد مصعب، ماحولیات کا اسلامی تصور، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، زیر نگرانی: ڈاکٹر احسان اللہ فہد، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۱۵ء، ص: ۲۳

^{۳۱} القرآن، سورۃ الروم، آیت ۴۱